ایران میں اقبال شناسی کا ابتدائی دور اور ن۔م۔راشد

ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری☆

Abstract

N.M. Rashid is a great poet of Urdu of the modern times. He made inroads into the literary Urdu circles from his boyhood. In the beginning, he was very much inspired by the great poet-philosopher of the east---Allama Iqbal. He promoted Iqbal's poetry and message wherever he visited. Even when he stayed officially in Iran, he left no stone unturned to introduce Iqbal and his poetry there. Iqbal was until then unknown to the Iranians. It was Rashid who got Iranians acquainted with the ever green poetry and rich message of Iqbal. This article theorizes that Rashid was the first Pakistani who introduced Iqbal to the Persian nation.

ایران میں اقبال شناسی کی جو روایت اسلامی انقلاب کی عظیم الشان تحریک کے عہدِ عمل میں نہایت سرعت سے فروغ پذیر ہوئی، اس کا آغاز دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں ہو گیا تھا۔ اس حوالے سے صفحۂ تاریخ پر جن چیدہ افراد کی عملی کاوشیں مستقل نقش کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں عہدِ جدید کے عظیم اردو شاعر اور دانشور ن۔م۔راشد سرِ فہرست ہیں۔ اگر انھیں ایران میں اقبال شناسی کی روایت کے بانیوں میں شمار کیا جائے تو یہ امر قطعی طور پر مبالغے کا حامل نہ ہوگا۔

☆ پروفیسر اردو، کلیہ شرقیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں ہندوستانی فوج کے مختلف شعبوں میں حکومت کے مختلف اداروں اور محکموں سے کثیر تعداد میں موزوں افراد کی بھرتی عمل میں آئی۔ اُن دنوں راشد آل انڈیا ریڈیو، دلّی میں ڈائریکٹر آف پروگرامز (جسے پروگرام ایگزیکٹو بھی کہا جاتا تھا) کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے بھی فوج میں کمیشن لیا اور سمندر پار چلے گئے۔ ان کی سروس فائل، مکاتیب اور دیگر تحقیقی مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۲۴ نومبر ۱۹۴۳ء سے محکمہ تعلقاتِ عامہ میں کپتان کے طور پر فوجی ملازمت کا آغاز کیا اور یہ ملازمت ۶ مئی ۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔ اس دوران میں وہ بغداد (عراق) تہران (ایران) بصرہ (عراق) قاہرہ (مصر) دہلی (ہندوستان) اور کولمبو/ سیلون (سری لنکا) میں تعینات رہے۔ ایران میں ان کا تقرر جون ۱۹۴۴ء سے ستمبر ۱۹۴۵ء تک رہا۔ اسی دوران میں انھوں نے ایران میں اقبال شناسی کی بنیاد رکھنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر سید حسن عباس گوپال پوری کی اردو میں منتقل کردہ علامہ محمد محیط طباطبائی کی تحریر ''ایران میں شناخت اقبال کے ابتدائی نقوش'' (مطبوعہ مجلّہ اقبال ۔ لاہور: بابت جنوری تا اپریل ۱۹۹۱ء) کو دیکھ کر راشد کی اس خدمت کا علم ہوتا ہے:

> ''1941ء میں تہران میں انگریزی فوج کے سپاہیوں میں لاہور کا ایک مسلمان فارسی دان کیپٹن بھی تھا جو غالب ومغلوب کے درمیان ادبی اور ثقافتی رابطے کا کام کر رہا تھا اور شاعرِ لاہور محمد اقبال کے سلسلے میں بہت زیادہ ارادت وعقیدت رکھتا تھا۔ 1943ء میں جب کہ وہ ابھی تہران ہی میں مقیم تھا، اس نے میوزیم ایرانِ باستان کے ہال میں وزارت ثقافت و باستان شناسی کی مدد اور مرحوم داعی الاسلام کے تعاون سے، جو جنگ کے موقع پر حیدرآباد سے ایران آ گئے تھے اور تہران میں رہ رہے تھے، اقبال کی پانچویں برسی کی تقریبات منانے کا اہتمام کیا۔'' (۱)

اس بیان میں ایک تو لاہور کے فارسی دان کیپٹن کا نام درج ہونے سے رہ گیا ہے اور دوسرے سنین کے حوالے سے بھی تسامح ہوا ہے۔ چنانچہ راشد کے بھائی اور بزمِ اقبال، لاہور کے سہ ماہی رسالے ''اقبال'' کے اُس وقت کے نائب مدیر راجہ فخر محمد ماجد نے اپنے حافظے پر بھروسہ

کرتے ہوئے مندرجہ ذیل حاشیہ جمایا ہے:

> ''میری یادداشت کے مطابق ''لاہور کے ایک مسلمان فارسی دان کیپٹن'' ن۔م۔راشد تھے۔ انھوں نے خود مجھ سے ایران میں پہلی بار ''یومِ اقبال'' منانے کا تفصیلی ذکر کیا تھا جس میں ملک الشعراء بہار کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا اور پروفیسر سعید نفیسی، پروفیسر رضا زادہ شفق بھی اس میں شریک ہوئے تھے۔تاریخ کے بارے میں البتہ طباطبائی صاحب کو سہو ہوا ہے۔دسمبر 1943ء میں ن۔م۔راشد فوج میں شامل ہوئے اور انھیں قاہرہ بھیجا گیا۔ ایک سال بعد وہ ایران میں تعینات ہوئے جہاں 1945ء کے نصف آخر میں انھیں سری لنکا بھیج دیا گیا۔ 1946ء میں وہ دہلی آ گئے اور یہیں سے فوج سے فارغ ہوکر 1947ء کے اوائل میں آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں چارج لیا۔ ایران میں یومِ اقبال کا ڈول انھیں نے ڈالا تھا اور وہ خاصا کامیاب رہا'' (۲)

اس حاشیے میں مطلوبہ صراحت تو بہت حد تک ہوگئی ہے تاہم تمام مذکورہ شخصیات کی ایران میں پہلی بار منعقد ہونے والے یومِ اقبال میں شرکت کی تصدیق ہونا مشکل ہے۔

محمد محیط طباطبائی کی ایک تحریر ''ایران میں اقبال شناسی کا پس منظر'' بھی ملتی ہے جس کے مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تحریر مذکورہ بالا تحریر ہی کی اصلاح یافتہ شکل ہو۔بہر حال اس میں بھی سنہ اور اقبال کی برسی کے نمبر کی تبدیلی کے ساتھ کچھ ویسی ہی معلومات درج ہوئی ہیں:

> ''1324 شمسی (1945ء) میں اقبال کی ساتویں برسی کے موقع پر ان کی شخصیت اور ادبی خدمت کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے داعی الاسلام مرحوم جو دکن سے وطن واپس آ چکے تھے اور اردو زبان کے مشہور شاعر اور اقبال کے دیرینہ نیاز مند ن۔م۔راشد کی تحریک پر اقبال کے ایرانی عقیدت مندوں نے تہران کے 'موزۂ ایرانِ باستان' (ایرانِ قدیم کے

عجائب گھر) کے وسیع ہال میں ایک ادبی اجلاس کا اہتمام کیا۔ ...
ن۔م۔راشد اور ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی، جن میں سے اول الذکر ان دنوں
تہران میں اقوامِ متحدہ کے دفتر کے نگران اعلیٰ کے منصب پر فائز ہیں اور
آخر الذکر پاکستان میں ادبیات ایران کی خدمت پر کمر بستہ ہیں، اقبال کو
ایران میں متعارف کرانے اور مطالعات اقبال کے میدان کو ہموار کرنے
میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔'' (۳)

اس اجمال کی تفصیل سے متعلق سب سے اہم ماخذ خود ن۔م۔راشد ہی کا تحریر کردہ مضمون ''ایران میں یومِ اقبال'' ہے جو ۲۲ اپریل ۱۹۴۹ء کو روزنامہ امروز لاہور میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس مضمون کا موضوع ایران میں اقبال کی ابتدائی مقبولیت کا احاطہ کرتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کا ملخّص پیش کر دیا جائے۔

جیسا کہ بیان ہوا، دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں فوج کی ملازمت کے سلسلے میں راشد کو کچھ عرصہ ایران کے دارالحکومت تہران میں بھی قیام کا موقعہ ملا۔ 1946ء میں جب وہ ہندوستان واپس آئے تو ان سے ایران میں اقبال کی مقبولیت کے بارے میں اکثر سوال کیا جاتا۔ قیام پاکستان کے ابتدائی برسوں میں یہ سوال پہلے سے بھی زیادہ کیا جانے لگا۔ راشد نے اپنے مضمون میں اس استفسار کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ عصرِ حاضر میں جب ہم ایران میں اقبال اور اس کے کلام کی مقبولیت کے عظیم الشان مظاہرے دیکھتے ہیں تو راشد کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہونے کے باوجود مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے:

''گذشتہ سال میں یعنی جب سے ایران میں ہمارا سفارتخانہ کھلا ہے، یقیناً
ہماری ثقافت اور ہمارے ادب سے ایرانیوں کی روشناسی میں کچھ نہ کچھ ضرور
اضافہ ہوا ہے، لیکن جس زمانے میں ہم لوگ ایران میں تھے، ایران کی کسی
درسگاہ، کسی لائبریری، کسی کتاب گھر میں علامہ مرحوم کی کوئی تالیف دستیاب

نہ ہو سکتی تھی۔ شاید ایک آدھ فردِ واحد کے پاس ایک آدھ تالیف موجود ہو لیکن عام طور پر پڑھے لکھے ایرانیوں کے لیے بھی اقبال کا نام قطعی طور پر نیا نام تھا۔ حتیٰ کہ دانشگاہ طہران کے وہ پروفیسر جن کا کام ہی فارسی ادبیات کا درس دینا تھا، بالعموم اقبال کے فکر و اسلوب سے نا آشنا تھے۔'' (۴)

اس ضمن میں راشد نے دانشگاہ طہران کے استاد ابراہیم پورداؤد کی مثال دی ہے جنھوں نے 1945ء(؟) میں ہندوستان کا دورہ کرنے والے ایک ثقافتی مشن کے رکن کی حیثیت سے کسی پریس کانفرنس میں ٹیگور کو آفاقی اور اقبال کو محلّی یا مقامی شاعر قرار دے دیا تھا۔ اس بات کو ہندوستان کے مسلمانوں نے بری طرح محسوس کیا تھا اور متذکرہ مشن کو ہندوستان میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔(۵) اس واقعے کی خبر ایران میں پہنچ چکی تھی اور نتیجۃً اقبال اور اس کے کلام کے بارے میں جاننے کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ اور رسائل و جرائد اقبال کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی سعی کرنے لگے تھے۔ خود راشد نے بھی یادداشت سے کام لے کر اقبال اور اس کے کلام کے بارے میں ادبی پرچوں کو تھوڑا بہت مسالا فراہم کیا۔ اقبال سے ایران میں واقفیت کا یہی نقطۂ آغاز ہے۔ اقبال شناسی کی ابتدا کا تذکرہ کرنے کے بعد راشد نے نارسائی کے اسباب بیان کیے ہیں۔ ان میں غیر ایرانی فارسی شعرا کے ساتھ جغرافیائی وطنیت کے تصور کے باعث ایرانیوں کا بے اعتنائی کا رویہ سرفہرست تھا جس کا شکار اقبال بھی ہوئے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ ایران کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کے تعلقات تھوڑی بہت تجارت اور زائرین کی آمد و رفت تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ راشد نے ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایرانی لیتھو پریس سے چھپی ہوئی کتابوں کے مطالعے سے ایک حد تک گھبراتے تھے۔ بظاہر یہ سبب عجیب ہے تاہم ہو سکتا ہے راشد نے اپنے قیامِ ایران کے دوران میں اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ اقبال شناسی میں متذکرہ اسباب تو حائل تھے ہی، راشد نے ایک اور سبب بھی بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ اقبال کے خیالات اسلام کے ساتھ ان کی گہری وابستگی کو ظاہر کرتے ہیں جبکہ ایرانی اپنی قبل از اسلام کی تہذیب سے وابستہ تھے۔

اس مقام پر راشد نے گہری بصیرت اور پیش بینی کا ثبوت دیتے ہوئے لکھا ہے:

''علامہ اقبال کے خیالات ایران کے فکر ونظر سے اس قدر مختلف ہیں کہ جب تک اس کا سیاسی ڈھانچہ ہی نہ بدل جائے وہاں ان کے خیالات کا خیر مقدم ناممکن ہے۔'' (٦)

چنانچہ ہم نے راشد کی پیش بینی کو درست ثابت ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ ایران میں اقبال شناسی کو جو فروغ بادشاہت کے خاتمے کے بعد ہوا ہے، وہ پہلے نہیں ہوا تھا۔ بہرحال نارسائی کے متذکرہ اسباب بیان کرنے کے بعد راشد نے بتایا ہے کہ اس پس منظر میں انھوں نے چند ہم کار فوجیوں سے مل کر ''مجلس ہند و ایران'' قائم کرنے کی تگ و دو کی۔ اس مجلس نے بہت سی رکاوٹوں کو عبور کر کے بالآخر 21 اپریل 1946ء (؟) کو یوم اقبال کے حوالے سے مُوزۂ باستان (عجائب گھر) تہران میں ''یادبودِ اقبال'' کا اجلاس منعقد کرنے کا شرف حاصل کیا۔ (٧) یہ ''یوم اقبال'' ایران میں سب سے پہلا ''یوم اقبال'' تھا۔ اگر نخست وزیر آقای ساعد مراغی کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو مجلس ہند و ایران، یوم اقبال کی اس تقریب کا انعقاد کرنے سے قاصر رہتی۔ اس تقریب میں محکمہ فرہنگ کے انڈر سیکرٹری اور ایران کے سب سے مشہور علمی رسالے ''آئندہ'' کے ایڈیٹر ڈاکٹر افشار نے علامہ اقبال کے کلام سے کچھ ''منتخبات'' پیش کیے۔ اس کے بعد عربی، فارسی اور سنسکرت کے عالم بے عدیل پروفیسر سید محمد داعی الاسلام نے مقالہ پڑھا اور آخر میں راشد نے ''جاوید نامہ'' پر اپنا مضمون پیش کیا۔ ان مضامین کی تیاری کے لیے اقبال کی تصانیف کا دستیاب ہونا بھی ایک معجزہ تھا۔ ڈاکٹر افشار اور پروفیسر داعی الاسلام کو اقبال کی اور اقبال کے بارے میں جو کتابیں فراہم کی گئیں وہ راشد کے ایک ہم جماعت میاں سمیع کے سامان میں سے سب سے اہم زادِ راہ کے طور پر نکلیں جو تہران کی سیر کے لیے اتفاقاً جا نکلے تھے۔ راشد کو ''جاوید نامہ'' محیط طباطبائی کے ذاتی کتب خانے سے ملا جو اقبال ہی نے انھیں ارسال کیا تھا اور اس پر ان کے دستخط بھی موجود تھے۔ یوم اقبال کی تقریب میں محیط طباطبائی نے اپنے جریدے ''محیط'' کا ''شمارہ مخصوصِ اقبال'' تقسیم کیا جو ایک غیر متوقع اور حیران کن مسرت تھی۔ (٨)

یوم اقبال کی تقریب کے بعد راشد اور ان کے ساتھیوں کی دوسری کامیابی تہران ریڈیو سٹیشن سے اقبال کے بارے میں خاص پروگرام تھا۔ ہوا یوں کہ تہران ریڈیو کی انتظامیہ نے جنگ عظیم دوم کے اتحادیوں برطانیہ، امریکا اور روس کے ملی پروگرام نشر کرنے کے لیے ''یوم متفقین'' منانے کا فیصلہ کیا۔ راشد اور ان کے ساتھیوں نے ناظم انتشارات وتبلیغات ڈاکٹر صفوی سے کہہ سُن کر ہندوستان کے پروگرام کے لیے بھی وقت حاصل کر لیا۔ اس پروگرام میں ترانہء ملی کے طور پر ''دور ہٹو اے دنیا والو'' کا فارسی ترجمہ پیش کرنے کے بعد قومی موسیقی پیش کی گئی۔ اسی میں ''زبورِ عجم'' کے ابتدائی تین اشعار مشہور ایرانی موسیقار شیر خدا نے ایران کے مروّجہ ''آہنگِ ضرَابی'' میں پڑھ کر سنا دیے۔ اسی پروگرام میں ٹیگور اور اقبال کے بارے میں تقریریں بھی تھیں۔ چونکہ انگریزوں، روسیوں اور امریکیوں کے پروگراموں کے برخلاف یہ پروگرام فارسی میں تھا، اس لیے بہت پسند کیا گیا۔ خاص طور پر شیر خدا کی طرز میں ''زبورِ عجم'' کے اشعار بچے بچے کی زبان پر آ گئے۔ بعد ازاں مختلف محافل میں کلام اقبال بھی پیش کیا جانے لگا۔ اخبارات و رسائل میں بھی اقبالیات کو جگہ ملنے لگی۔ اسی طرح کسی لائبریری کو اقبال سے منسوب کرنے اور یونیورسٹی کے کسی ہال کو ''تالارِ اقبال'' کا نام دینے کی تجاویز بھی سامنے آئیں۔ اس طرح وزارتِ معارف (Ministry of Culture) کی یہ آرزو بھی تھی کہ اقبال کا ایک مجسمہ تیار کر کے ہندوستان کی نذر کیا جائے۔ اس تجویز کو راشد اور ان کے ساتھیوں نے مزار اقبال کے لیے قالین بھجوانے کی تجویز سے تبدیل کروا دیا۔ بعد میں آقای علی اصغر حکمت کی قیادت میں ایک وفد نے لاہور آ کر اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا۔ راشد بتاتے ہیں کہ ملک الشعرا بہار، علامہ اقبال کے مداحوں میں سے تھے اور انھوں نے اقبال کے بارے میں ایک نظم بھی لکھی تھی۔ وہ اقبال کے اشعار سے بہت حظ اٹھایا کرتے تھے۔(۹) اس ضمن میں راشد نے ان کا ایک جملہ لکھا ہے:

''این فقط اقبال بود که در زبانِ ما چراغِ شعر را روشن داشته'' (۱۰)

مجموعی طور پر راشد کا یہ طویل مضمون ایران میں اقبال شناسی کی روایت کے ابتدائی نقوش کے بارے میں نہایت مفید معلومات فراہم کرتا ہے۔

قیامِ پاکستان (۱۹۴۷ء) کے بعد اقبال شناسی نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ ۱۹۴۹ء میں ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی پریس اینڈ کلچرل اتاشی کی حیثیت سے ایران گئے اور وہاں ان کا قیام سات سال تک رہا۔ اس دوران میں اقبال کی تفہیم و تحسین کے حوالے سے کئی تقاریب انعقاد پذیر ہوئیں، جن میں ۱۹۵۰ء میں سفارت خانہء پاکستان کی طرف سے پہلی مرتبہ منائے جانے والے یومِ اقبال کی تقریب خصوصی اہمیت کی حامل ہے جس کی صدارت ملک الشعرا بہار نے کی۔ اس کے بعد تو اقبال اور اقبال شناسی نے ایران کے ادبی حلقوں میں ایک مستقل موضوع کی حیثیت اختیار کر لی۔ سال بہ سال یہ روایت پروان چڑھتی رہی اور اقبال کا یومِ ولادت و یومِ وفات منانے کا عمل تسلسل اختیار کرتا چلا گیا۔(۱۱) لیکن اس مسلسل عمل کے پیچھے بالکل ابتدائی دور میں کارفرمان۔م۔راشد کی ذاتی یا غیر سرکاری سطح پر کی گئیں بنیادی نوعیت کی کاوشیں نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔

یہاں ن۔م۔راشد کے حوالے سے اس امر کا اظہار بھی نامناسب معلوم نہیں ہوتا کہ انھیں اپنی ملازمت کے آخری برسوں میں بھی ایران میں قیام کا موقع ملا۔ وہ اقوامِ متحدہ کے مرکز اطلاعات تہران (ایران) میں ستمبر ۱۹۶۷ء کے اوائل میں ڈائریکٹر کے طور پر تعینات ہوئے۔ یہ سلسلہ ۳۱مئی ۱۹۷۳ء تک جاری رہا۔ بعد میں انھیں کسی قدر توسیع بھی مل گئی اور پھر انھیں ایک اور ذمہ داری سونپ دی گئی جس کے باعث وہ اگست ۱۹۷۴ء کے اوائل تک تہران میں مقیم رہے۔ اس دوران میں بھی وہ ایران کے ادبی حلقوں میں شرکت کرتے رہے۔ اقبال شناسی کے حوالے سے بھی ان کی خدمات کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد ریاض کے مضمون ''ایران میں اقبال پر تازہ کام'' کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مئی 1968ء میں اقبال شناسی کے ضمن میں منعقدہ اجلاس کے موقع پر ''مجلس حسینیہ ارشاد میں ن۔م۔راشد صاحب اور ڈاکٹر سید شہریار نقوی نے بہترین تقاریر کی تھیں۔'' (۱۲)

مجلسِ حسینیہ ارشاد میں اقبال کے ۳۳ ویں یومِ وفات کے حوالے سے بھی ۱۹۷۱ء میں ایک تقریب کے انعقاد کا سراغ ملتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ وہی تقریب ہو جس کا ذکر ڈاکٹر محمد ریاض نے مذکورہ مضمون میں کیا ہے مگر انھیں اس کے سالِ انعقاد کے بارے میں تسامح ہو گیا ہو۔ اس تقریب میں کی گئیں تقاریر اور پڑھے گئے مقالات بعد ازاں حسینیہ ارشاد ہی سے ''علامہ اقبال'' کے سرنامے کے ساتھ ۲۰۶ صفحات پر مشتمل کتاب کی صورت میں شائع ہوئے۔ اس کتاب میں مقدمہ اور پیش گفتار (سخنی با خوانندہ) کے بعد ڈاکٹر جعفر شہیدی، ڈاکٹر علی شریعتی، محمد محیط طباطبائی، ڈاکٹر شہریار نقوی، ن۔م۔راشد پاکستانی، حبیب یغمائی، ڈاکٹر مہدی محقق اور سید غلام رضا سعیدی کی تحریریں شامل ہیں۔ راشد کے وقیع مقالے کا عنوان ''جہان بینیِ اقبال'' ہے، جس میں اقبال کی عالمی حیثیت اور شعری عظمت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کی شاعری کی مقصدیت و افادیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک اقتباس دیکھیے:

''بهمین ترتیب در حالی که وی از نظراتِ شُعرای عارفِ اسلامی و خاصّه مولوی استفاده می کند اِصالتِ کارِ وی در ترکیبِ این نظرات با زندگی معاصر و بکار بَستنِ آنها برای تحکیمِ شخصیتِ انسانِ امروزی در راهِ نَیل بهدفِ بزرگِ خِلقت است، در دنیای سراسرِ شکّ و یاس و بد بینیِ امروز اقبال یگانه چراغِ رہنما و تقویّتِ درونی و ذاتی است بدین ترتیب آنچه دربارۂ خودمی گوید جُز حقیقتِ راستی نیست. اُو دربارۂ خود چنین می گوید:

دلِ من روشن از سوزِ درون است
جهان بین چشمِ من از اشکِ خُون است '' (۱۳)

اگر چہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بطور تخلیق کار راشد کی شعری روش اقبال کے شعری مسلک سے دور ہوتی چلی گئی، تاہم ابتدا میں وہ ان سے بہت متاثر تھے اور اقبال کی بڑائی کا تصور ان کے ذہن سے بعد میں بھی کبھی محو نہ ہو سکا اور اقبال شناسی کے حوالے سے ان کی سب سے بڑی عطا یہ ہے کہ انھوں نے ایران میں اس کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

☆☆☆☆☆

حواشی

(۱) اقبال۔ لاہور: جلد ۳۸، شمارہ ۱۔۲، جنوری۔اپریل ۱۹۹۱ء۔ص ۹۔۱۰

(۲) ایضاً۔ص ۹۔۱۰

(۳) ڈاکٹر سلیم اختر (مرتب) ایران میں اقبال شناسی کی روایت ۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء ص ۱۶۔۱۷

(۴) امروز۔ لاہور: ۲۲۔اپریل ۱۹۴۹ء

(۵) معلوم نہیں یہ سہوِ کاتب ہے یا راشد کے حافظے کی کوتاہی، یہ واقعہ ۱۹۴۵ء کا نہیں۔ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی نے اس کا سالِ وقوع ۱۹۴۳ء بتایا ہے اور یہی قرینِ قیاس ہے۔ وہ اس ضمن میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ مجلّہ محیط، اردی بہشت ۱۳۲۲ (۱۹۴۳ء) نے اس واقعہ کا نہایت افسوس کے ساتھ یوں ذکر کیا ہے: ''کسی اخبار کے نامہ نگار نے مشن کے ایک رکن سے (جن کا بیشتر ادبیات ایران قبل از اسلام سے متعلق ہے یا فقط اوستا کی تعلیمات سے عشق رہا ہے اور اس سبب سے ان کے دماغ میں ادبیات بعد از اسلام کا مطالعہ کرنے کے لیے جگہ باقی نہیں رہی) اقبال کے ادبی مقام کے متعلق بات شروع کی ......اور باوجود سفیر کبیر ایران آقای علی

معتدی کے سمجھانے کے، ٹیگور اور اقبال کا مقابلہ کرتے ہوئے اس نے ایک بڑی نا روا بات کہی۔ اس واقعہ کا عام مسلمانوں میں سخت عکس العمل ظاہر ہوا۔ اور بعض جراید نے اس کی شدت سے تنقید کی ......اگرچہ اس ناخوشگوار واقعہ کی تلافی کے لیے مشن لاہور گیا اور اقبال کے مزار پر ملتِ ایران کی طرف سے پھول چڑھائے ......اعضائے ہیئتِ ایران واپس آنے پر بھی اس واقعہ پر افسوس کرتے تھے......''

[ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی۔ اقبال: ایرانیوں کی نظر میں۔ کراچی: اقبال اکادمی، ۱۹۵۷ء، ص ۵۔۶]

(۶) امروز۔ لاہور: ۲۲۔اپریل ۱۹۴۹ء

(۷) یہاں بھی یا تو راشد کو سنہ کے حوالے سے تسامح ہوا ہے یا کتابت میں غلطی ہوئی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں تو راشد ایران میں تھے ہی نہیں۔ یہ واقعہ ۱۹۴۵ء کا ہو سکتا ہے۔ اس کی تائید محیط طباطبائی کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جس کے مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر ہیں اور جس کا حوالہ اوپر آ چکا ہے۔

(۸) یہ وہی شمارہ ہے جس میں ابراہیم پور داؤد کے غیر ذمہ دارانہ بیان کے حوالے سے اظہار افسوس کیا گیا تھا۔ ''اس میں جتنے مقالات ہیں سب کے سب محیط کے اپنے قلم سے ہیں اور ان کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جب کہ اقبال کے متعلق ایران میں نہایت کم معلومات پہنچتی تھیں، محیط نے اس نمبر کی تدوین کے لیے کس قدر کوشش کی ہوگی۔''

[ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی۔ اقبال: ایرانیوں کی نظر میں۔ کراچی: اقبال اکادمی، ۱۹۵۷ء، ص ۲۰]

(۹) یہاں یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ قدرت نے بہار کے لیے بھی وہی تاریخِ وفات (یعنی ۲۱۔اپریل) چنی جو اقبال کی تاریخِ وفات ہے۔ ان کی مذکورہ نظم اقبال کے ساتھ ان کی گہری محبت اور بے پایاں عقیدت کا پتا دیتی ہے۔ یہ نظم ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی کی محولہ بالا کتاب کے صفحات (۴۹۔۵۹) پر اردو ترجمے کے ساتھ ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہاں صرف

تین شعر درج کیے جاتے ہیں:

عصرِ حاضر خاصۂ اقبال گشت ‏ ‏ ‏ واحدی کز صد ہزاران برگذشت

شاعران گشتند جیشی تار و مار ‏ ‏ ‏ وین مبارز کرد کارِ صد سوار

ہیکلی گشت از سخنگوئی بپا ‏ ‏ ‏ گفت "کلّ الصّید فی جوف الفرا"

مولفِ موصوف نے اس ضمن میں بعض اہم معلومات بہم پہنچاتے ہوئے لکھا ہے:

"سنہ ۱۹۴۴ء میں طہران میں انجمن فرہنگِی ایران و ہند کا افتتاح ہوا جس میں مرحوم ملک الشعرا بہار نے ایک نظم "خطاب بہ ہند" کے عنوان سے پڑھی ...... اس کے چھ سال بعد، یعنی اپریل ۱۹۵۰ء میں یومِ اقبال کے موقع پر اپنی صدارتی تقریر میں بہار نے ان اشعار کو دہرایا اور اضافہ کیا......"

[ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی۔ اقبال: ایرانیوں کی نظر میں ۔ کراچی: اقبال اکادمی، ۱۹۵۷ء ص ۱۔۲]

(۱۰) امروز ۔ لاہور: ۲۲۔ اپریل ۱۹۴۹ء

(۱۱) ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی۔ اقبال: ایرانیوں کی نظر میں ۔ کراچی: اقبال اکادمی، ۱۹۵۷ء ص ۱۶۔۲۴

(۱۲) ڈاکٹر سلیم اختر (مرتب) ایران میں اقبال شناسی کی روایت ۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء ص ۱۰۱

(۱۳) علامہ اقبال ۔ تہران: حسینیہ ارشاد، ۱۹۷۱ء ص ۱۷۱